8

اس یقین کے ساتھ دعائیں کرو کہ تمہاری ہر ضرورت صرف خدا تعالیٰ ہی پوری کر سکتا ہے

(فرمودہ 10 اپریل 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مَیں نے احباب کو متواتر دعاؤں کی طرف توجہ دلائی ہے اور اب جو بعض دوستوں کی طرف سے رقعے اور خطوط ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے ایک حصہ میں موجودہ زمانہ کے فتن کے لئے دعا کی تحریک پائی جاتی ہے مگر ایک حصہ کی دعا کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں سب کی ذہنیت کو دعا کے لئے بدلا جائے اور یہ ذہنیت اس رنگ میں بدلی جاتی ہے کہ سب سے پہلے دعا پر یقین اور ایمان پیدا ہو۔ جو شخص بغیر یقین کے دعا مانگتا ہے اس کی دعا خدا تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں ہوا کرتی۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی ایسے شخص کی دعا قبول ہو جائے صرف نمونہ کے طور پر اور اس کے دل میں یقین پیدا کرنے کے لئے لیکن قانون کے طور پر اُسی شخص کی دعا قبول ہوتی ہے جس کے دل میں یقین ہوتا ہے کہ خدا میری سنے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ[1] کہ مُضْطَر کی دعا کون سنتا ہے؟ اور پھر فرماتا ہے۔ اللہ ہی سنتا ہے اور مُضْطَر کے معنے عربی زبان میں یہ ہوتے ہیں کہ کسی کو چاروں طرف سے دھکّے دے کر کسی طرف لے جائیں جو چاروں طرف سے رستہ بند پا کر کسی ایک طرف کو جاتا ہے۔ اس کو مُضْطَر کہتے ہیں یعنی وہ ہر طرف آگ دیکھتا ہے۔ اپنے دائیں دیکھتا ہے تو اسے آگ نظر آتی ہے، اپنے بائیں دیکھتا ہے

تو اسے آگ نظر آتی ہے، اپنے پیچھے دیکھتا ہے تو اسے آگ نظر آتی ہے، اپنے نیچے دیکھتا ہے تو اسے آگ نظر آتی ہے، اپنے اوپر دیکھتا ہے تو اسے آگ نظر آتی ہے۔ صرف ایک جہت اس کے سامنے خدا تعالیٰ والی باقی رہ جاتی ہے اور اسی پر اس کی نظر پڑتی ہے اَور سب جگہ اسے آگ ہی آگ دکھائی دیتی ہے مگر صرف ایک طرف اُسے امن نظر آتا ہے۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مُضطر کے معنوں میں یقین پایا جانا ضروری ہے۔ مُضطر کے صرف یہی معنے نہیں ہیں کہ اس کے دل میں گھبراہٹ ہو کیونکہ گھبراہٹ میں بعض دفعہ ایک شخص بے تحاشا کسی طرف چل پڑتا ہے بغیر اس یقین کے کہ جس طرف وہ جارہا ہے وہاں اسے امن بھی حاصل ہوگا یا نہیں بلکہ بعض لوگ گھبراہٹ میں ایسی طرف چلے جاتے ہیں جہاں خود خطرہ موجود ہوتا ہے اور وہ اس سے نہیں بچ سکتے۔ پس محض اِضطراب کا دل میں پیدا ہونا اِضطرار پر دلالت نہیں کرتا۔ اِضطرار پر وہ حالت دلالت کیا کرتی ہے جب چاروں طرف کوئی پناہ کی جگہ انسان کو نظر نہ آتی ہو اور ایک طرف نظر آتی ہو۔ گویا اِضطرار کی نہ صرف یہ علامت ہے کہ چاروں طرف آگ نظر آتی ہو بلکہ یہ علامت بھی ہے کہ ایک طرف امن نظر آتا ہو اور انسان کہہ سکتا ہو کہ وہاں آگ نہیں ہے۔ تو وہی دعا خدا تعالیٰ کے حضور قبول کی جاتی ہے جس کے کرتے وقت بندہ اس رنگ میں اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے میرے لئے اَور کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ یہی وہ مُضطر کی حالت ہے جسے رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے کہ لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّآ اِلَيْكَ [2] اے خدا لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنْكَ تیرے عذاب اور تیری طرف سے آنے والے ابتلاؤں سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں، کوئی خوف کی جگہ نہیں سوائے اس کے کہ مَیں سب طرف سے مایوس ہو کر اور آنکھیں بند کر کے تیری طرف آجاؤں۔ تو لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ والی جو حالت ہے یہی اِضطرار کی کیفیت ہے اور جب خدا نے قرآن میں کہا کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ بتاؤ مُضطر کی کون سنتا ہے۔ تو مُضطر کے معنے یہی ہوئے کہ ایسے شخص کی دعا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مَلْجَا وَ مَاْوٰی نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا مَلْجَا وَ مَنْجَا قرار نہیں دیتا۔ اور اس آیت میں کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ در حقیقت اسی کیفیت اِضطرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اِضطرار دنیا میں کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہاں اَلْمُضْطَرّ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جس کے معنے تمام قسم کے مضطر کے ہیں۔ بعض بندے دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو مضطر ہوتے ہیں اور گو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی ہر مضطر کا علاج ہے مگر اس کے دیئے ہوئے انعام کے ماتحت کوئی بندہ بھی ان کے اضطرار کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ ایک آدمی سخت غریب ہوتا ہے اس کے کپڑے پھٹ جاتے ہیں اور اسے نظر نہیں آتا کہ وہ نئے کپڑے کہاں سے بنوائے۔ ایک امیر آدمی جو بعض دفعہ ہندو ہوتا ہے، بعض دفعہ سکھ ہوتا ہے، بعض دفعہ پارسی ہوتا ہے بعض دفعہ چینی یا بت پرست ہوتا ہے اسے دیکھتا ہے اور کہتا ہے تمہارے کپڑے پھٹ گئے ہیں آؤ مَیں تمہیں نیا جوڑا بنوا دوں اب گو ہمارے یقین کے مطابق خدا نے ہی اس امیر آدمی کے دل میں یہ تحریک پیدا کی ہو گی کہ وہ اسے کپڑے بنوا دے مگر جو کامل الایمان نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میرے اضطرار کی حالت میں فلاں آدمی کام آیا ہے مگر وہی آدمی جس نے اسے کپڑوں کا جوڑا بنا کر دیا تھا جب یہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے لئے کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پانی تک اسے ہضم نہیں ہوتا۔ تمام جسم کی صحت کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور چل پھر بھی نہیں سکتا تو ایسی حالت میں وہ امیر آدمی اس کی مدد نہیں کر سکتا بلکہ اگر کوئی طبیب اچھا لائق اور رحمدل ہوتا ہے اور وہ اسے اس حالت میں دیکھتا ہے تو کہتا ہے تمہیں علاج پر روپیہ خرچ کرنے کی توفیق نہیں مَیں تمہیں مفت دوائی دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم میرے پاس رہو اور اپنے مرض کا علاج کراؤ۔ اب اس اضطرار کی حالت میں امیر اس کے کام نہیں آیا بلکہ طبیب اس کے کام آیا۔ جب وہ کپڑوں کے لئے مضطر تھا تو امیر آدمی اس کے کام آ گیا مگر جب وہ علاج کے لئے مضطر ہوا تو ایک طبیب اس کے کام آ گیا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس پر کوئی مقدمہ بن جاتا ہے۔ وہ بے گناہ ہوتا ہے اس کا دشمن زبردست ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے ناراض ہو کر اسے کسی مقدمہ میں ماخوذ کرا کے عدالت تک پہنچاتا ہے۔ اب اسے نہ وکیل کرنے کی توفیق ہے، نہ خود اسے مقدمہ لڑنے کی قابلیت ہے اور وہ حیران ہوتا ہے کہ کیا کرے۔ آخر کوئی رحمدل وکیل اسے مل جاتا ہے اور وہ کہتا ہے مَیں بغیر فیس کے تمہاری وکالت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اب ایسے موقع پر نہ امیر اس کے کام آ سکا، نہ طبیب اس کی مشکل کو

دور کر سکا۔ صرف وکیل اس کے کام آیا۔ اسی طرح ایک اَور وقت میں یہ مضطر ہوتا ہے بوجھ اٹھائے جارہا ہوتا ہے کہ تھک کر چُور ہو جاتا ہے اور بوجھ اس سے گر جاتا ہے اس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اس بوجھ کو پھر اٹھا سکے۔ اب ایسے وقت میں نہ امیر اس کے کام آ سکتا ہے، نہ طبیب اس کے کام آ سکتا ہے، نہ وکیل اس کے کام آ سکتا ہے البتہ کوئی مضبوط زمیندار چلتے ہوئے اسے دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے تُو یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے بوجھ مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا چنانچہ وہ زمیندار اس کا بوجھ اٹھالیتا ہے۔ اب یہ مضطر تو تھا مگر اس حالت میں نہ امیر اس کے کام آسکا، نہ طبیب اس کے کام آسکا، نہ وکیل اس کے کام آسکا بلکہ اس کا ایک زمیندار بھائی اس کے کام آگیا۔ تو ایک ہی انسان کے مختلف اضطراروں میں مختلف لوگ اس کے کام آ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ مطلق مضطر جس کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس قسم کا مضطر ہو۔ خواہ وہ بھوکا ہو، ننگا ہو، پیاسا ہو، بیمار ہو، بوجھ اٹھائے جا رہا ہو، کسی قسم کا اضطرار ہو اس کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہو سکتا ہے ایک شخص کے پھٹے پرانے کپڑے ہوں تو کوئی امیر اس کے کام آ جائے مگر طبیب اس کے کام نہیں آ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بیمار ہو تو طبیب اس کے کام آ جائے مگر وکیل اس کے کام نہیں آ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بے گناہ کسی مقدمہ میں مبتلا ہو تو وکیل اس کے کام آ جائے مگر بوجھ اٹھانے کے وقت وکیل اس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ بوجھ اٹھانے کے وقت ایک زمیندار اس کے کام آ جائے لیکن امیر، طبیب اور وکیل اس کے کام نہیں آ سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ سارے کام کر سکتا ہے باقی انسان جس قدر ہیں وہ تو کسی کسی ضرورت میں کام آ سکتے ہیں۔ کوئی ایک قسم کے مضطر کے کام آ سکتا ہے اور کوئی دوسری قسم کے مضطر کے کام آ سکتا ہے مگر ہر قسم کے مضطرین کی ضرورتیں پورا کرنے والی خدا کی ہی ذات ہوتی ہے۔ انسان کے اضطرار کی ہزاروں حالتیں ہوتی ہیں۔ بھلا ان حالتوں میں تو کوئی بادشاہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتا۔ فرض کرو ایک شخص سخت بیمار ہے۔ اب بادشاہ کا خزانہ اس کے کام نہیں آ سکتا، بادشاہ کی فوجیں اس کے کام نہیں آ سکتیں، بادشاہ کا قرب اس کے کام نہیں آسکتا۔ اس کے کام تو اللہ تعالیٰ ہی آ سکتا ہے جو ہر قسم کی بیماریوں کو دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے

یا ایک جنگل میں گزرنے والا شخص جس پر بھیڑیا یا شیر اچانک جھپٹ کر حملہ کر دیتا ہے وہ چاہے بادشاہ کا کتنا ہی مُنہ چڑھا ہو یا بادشاہ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو بادشاہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا طبیب جو اس کا علاج کرتا تھا وہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا امیر جو نئے کپڑے سِلا دیتا تھا وہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا وکیل جس نے رحم کر کے اس کا مقدمہ لے لیا تھا اس کے کس کام آسکتا ہے۔ جنگل میں وہ تن تنہا جا رہا ہوتا ہے کہ شیر چیتا یا بھیڑیا اس کے سامنے آجاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو کام آتی ہے کوئی انسان کام نہیں آسکتا۔ تو جب تک انسان کے اندر یہ یقین پیدا نہ ہو کہ ہر قسم کے اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کام آتا ہے اس وقت تک وہ مضطر نہیں کہلا سکتا۔ مثلاً آجکل لڑائی ہو رہی ہے۔ اب یہ بھی ایک اضطرار کی حالت ہے۔ ہمارا ملک سینکڑوں سال سے بندوق اور تلوار چلانے کے فن سے نا آشنا ہے اور یہاں کے رہنے والے اس بات سے بالکل ناواقف ہیں کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کانگرس والے تعلّی کرتے ہیں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ محض ایک لاف ہے جس کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔ جو قومیں بہت کچھ کر سکتی تھیں ان میں سے بھی کئی اس جنگ میں مقابلہ کر کے دب گئی ہیں مثلاً فرانس کی بہت بڑی طاقت تھی مگر جرمنی کے مقابلہ میں بالکل دب گئی۔ تو دعویٰ کرنا اَور بات ہے اور عملی رنگ میں کچھ کر کے دکھانا اَور بات ہے۔ یوں مُنہ سے کانگرسی کہتے رہتے ہیں کہ ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے ہم خود دفاع کا انتظام کر لیں گے مگر یہ بالکل ناممکن بات ہے کہ وہ آزاد ہو کر اپنی حفاظت کا خود سامان کر سکیں۔ وہ جونہی آزاد ہوئے فوراً انگریزوں سے مطالبہ کریں گے کہ تم ہم کو توپ خانہ بھیجو۔ تم ہم کو ہوائی جہاز بھیجو، تم ہم کو ٹینک بھیجو۔ گویا پھر بھی انگریزوں کے ہی محتاج رہیں گے۔ زیادہ سے زیادہ کانگرسی یہ کر سکتے ہیں کہ چندے دے دیں یا زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ چند کانگرسی دھواں دھار تقریریں کر دیں کہ اٹھو اور دشمن کا مقابلہ کرو۔ مگر ان میں ہمت کہاں سے آئے گی اور بہادری کی روح ان میں کس طرح پیدا ہو گی پھر اس خطرہ کی حالت میں انگریز بھی صرف ٹینک دے سکتے ہیں، ہوائی جہاز دے سکتے ہیں، توپ خانہ دے سکتے ہیں، فوجیں دے سکتے ہیں مگر خالی ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور فوجوں سے فتح حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ فتح دلوں کی

جرأت سے حاصل ہوتی ہے اور یہ جرأت نہ انگریز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کانگرسی پیدا کر سکتے ہیں۔ انگریزوں کے ماتحت ہی ہندوستان میں کئی بزدل قومیں ہیں مگر انگریز ان کو بہادر نہیں بنا سکے۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ انہیں فوج میں بھرتی نہ کیا جائے۔ گویا بجائے اس کے کہ وہ ان کی ترقی کا باعث بنتے۔ انہوں نے ان کو اسی بزدلی کے گڑھے میں گرائے رکھا جس میں وہ پہلے گرے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھو۔ اس کے ساتھ تعلق رکھنے سے بڑے بڑے بزدل بہادر بن جاتے ہیں اور بڑی بڑی غیر منظم قومیں منظّم ہو جاتی ہیں۔ آجکل لوگ جرمنی کی مثال دیتے ہیں کہ اس کی تنظیم حیرت انگیز ہے حالانکہ جرمنی پہلے ہی منظّم تھا۔ وہ آزاد قوم تھی اس کی حکومت اپنی تھی۔ سامان اس کے پاس موجود تھا اور دنیا کی حاکم قوموں میں سے سمجھی جاتی تھی۔ اگر اس نے ان سامانوں سے کام لے کر اپنی تنظیم کو زیادہ بہتر بنالیا۔ تو یہ معمولی بات ہے۔ یہی حال اٹلی اور جاپان کا ہے۔ لیکن خدا جن قوموں کو ترقی دیتا ہے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے اور ان کے دل بالکل بدل جاتے ہیں۔ ان کی کمزوری اور بزدلی جاتی رہتی ہے اور ان کے اندر ایسی طاقت اور قوت آجاتی ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔

مسلمانوں کو ہی دیکھ لو عرب ایک ایسا ملک تھا جس کے باشندے کسی ایک بادشاہ کے ماتحت رہنا اور باقاعدہ کسی نظام کے ماتحت آنا گوارا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قبائل کے سردار عوام سے مشورہ لے کر کام کرتے تھے اور ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ آزاد سمجھا جاتا تھا مگر ان کی اتنی حیثیت بھی نہ تھی۔ جتنی آجکل چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی ہوتی ہے۔ کوئی قبیلہ ہزار افراد پر مشتمل تھا، کوئی قبیلہ دو ہزار افراد پر مشتمل تھا، کوئی قبیلہ تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ گویا آجکل جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں ان سے بھی وہ قبائل بہت چھوٹے تھے۔ مکہ کی آبادی بھی اُس وقت صرف دس پندرہ ہزار تھی پھر ان میں کوئی نظام نہ تھا، ان کے پاس کوئی خزانہ نہ تھا، کوئی سپاہی نہ تھا، کوئی ایسا محکمہ نہ تھا جس کے ماتحت باقاعدہ فوجیں رکھی جاتی ہوں اور سپاہی بھرتی کئے جاتے ہوں۔ صرف کام کے متفرق شعبے ایک دوسرے میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

غرض وہ ایک ایسی قوم تھی جو بالکل بے راہ رو تھی، کوئی طریقہ اور کوئی صحیح نظام ان

میں نہیں پایا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا مگر بہت ہی تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے۔ محققین کے نزدیک ساری مکی زندگی میں جو لوگ مکہ میں اسلام لائے۔ ان کی تعداد سَو کے قریب بنتی ہے۔ غرض یہ تھوڑے سے آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ مکہ کے لوگ اول تو خود ہی دنیوی لحاظ سے نہایت حقیر تھے اور ان میں کوئی طاقت و قوت نہ تھی۔ پھر ان کمزور لوگوں میں سے بھی ایسے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جو مکہ والوں کی نگاہ میں بھی کمزور سمجھے جاتے تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کتنی بہادری پیدا کر دی اور بے نظامی کی جگہ کیسی اعلیٰ درجہ کی تنظیم کا نظارہ نظر آنے لگا۔ یہی مکّہ کے لوگ یا عرب کے باشندے کسی کی بات ماننا گوارا نہیں کیا کرتے تھے۔ یعنی اطاعت جو دنیا میں مہذّب قوموں کا شعار سمجھا جاتا ہے۔ وہ ان کے نزدیک سخت ذلت کی بات تھی۔ چنانچہ عربی ادب کی کتب میں لکھا ہے کہ عرب میں ایک بادشاہ عمرو بن ہند[3] تھا۔ اس نے ایک علاقہ پر جو شام اور عراق کی طرف تھا حکومت قائم کی اور عرب کے لحاظ سے اس قدر شوکت حاصل کر لی کہ اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ سارا عرب میری بات مانتا ہے۔ ایک دن درباریوں سے اُس نے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ کیا عرب میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو میری بات ماننے سے انکار کر سکے۔ وہ اس بات کو خوب سمجھتا تھا کہ عرب کے لوگ اطاعت کرنا نہیں جانتے مگر اس نے خیال کیا کہ مجھے ایسا رعب حاصل ہو گیا ہے کہ اب عرب کا کوئی شخص کم از کم میری بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا ایک شخص عمرو بن کلثوم ہے جو اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ ہمارے خیال میں وہ ایسا شخص ہے جو آپ کی اطاعت نہیں کرے گا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ مَیں اس کی تصدیق کرنے کے لئے اسے بلواتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے عمرو بن کلثوم کو دعوت دی اور اسے خط لکھا کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کے کچھ لوگوں کو لے کر آ گیا جیسے عرب کا دستور تھا۔ بادشاہ اس وقت کسی جگہ خیموں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہیں اس نے آ کر اپنے خیمے لگا دیئے۔ اس نے عمرو بن کلثوم کو یہ بھی لکھا تھا کہ اپنی والدہ اور دوسرے عزیزوں کو بھی لیتے آنا۔ چنانچہ وہ اس کے مطابق اپنی والدہ کو بھی لے آیا۔ عمرو ابن ہند نے اپنی والدہ سے کہا۔ کام کرتے کرتے عمرو بن کلثوم کی ماں سے کوئی چھوٹا سا

کام لے کر دیکھنا تا پتہ لگ سکے کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔ چنانچہ جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو عرب کے دستور کے مطابق گو وہ بادشاہ کہلاتا تھا مگر اس کی ماں خود کھانا برتانے بیٹھ گئی۔ اپنے بیٹے کے لئے بھی اور عمرو بن کلثوم کے لئے بھی۔ گویا عمرو بن ہند کی والدہ اس وقت عملاً عمرو بن کلثوم اور اس کے دوسرے عزیزوں کا کام کر رہی تھی۔

پس ایسے وقت میں عمرو بن کلثوم کی ماں کا کسی کام میں ہاتھ بٹانا ہرگز اس کی ہتک کا موجب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جب بادشاہ کی ماں خود ایک کام کر رہی تھی تو اسی کام میں عمرو بن کلثوم کی ماں کا ہاتھ بٹانا ہرگز کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس کی شان اور عزت کے منافی ہوتی مگر واقعہ کیا ہوتا ہے۔ کھانا برتاتے وقت ایک تھال کچھ فاصلے پر پڑا تھا۔ عمرو بن ہند کی والدہ کھانا برتاتے برتاتے اسے کہنے لگی۔ بی بی ذرا وہ تھال تو سر کا کر ادھر کر دینا اسے بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس سے زیادہ اسے کوئی کام کرنے کے لئے کہے مگر تاریخوں میں لکھا ہے۔ جونہی اس نے عمرو بن کلثوم کی والدہ سے یہ بات کہی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے زور سے پکارنا شروع کر دیا کہ او ابن کلثوم! تمہاری ماں کی ہتک ہو گئی ہے۔ عمرو بن کلثوم اس وقت بادشاہ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور شاہی اعزاز کی وجہ سے وہ اپنے ہتھیار خیمہ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ گویا وہ اس وقت بالکل بے ہتھیار تھا مگر جونہی اس نے اپنی ماں کی اس آواز کو سنا اس نے اپنی ماں سے جا کر یہ نہیں پوچھا کہ تمہاری کیا ہتک ہوئی ہے؟ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگ گیا۔ خیمہ میں بادشاہ کی تلوار لٹک رہی تھی اس نے اُچک کر تلوار کو میان سے نکالا اور بادشاہ کو قتل کر دیا پھر باہر نکل کر اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا۔ بادشاہ کا سب مال و متاع لوٹ لو۔ چنانچہ اس کا سب مال و متاع لوٹ کر وہ اپنے وطن کی طرف واپس چلا آیا۔ تو عرب لوگ کسی کی اطاعت کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ جو بات ان کی مرضی کے مطابق ہوتی تھی اسے تو مان لیتے تھے مگر جو بات ان کی مرضی کے خلاف ہوتی تھی۔ اس کو سننا بھی وہ گوارا نہیں کرتے تھے لیکن پھر انہیں عربوں کو ہم دیکھتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بدل ڈالے۔ انہی عربوں میں سے ایک سمجھدار اور پڑھے لکھے اور اپنی قوم کے معزز فرد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گلی میں سے گزر رہے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں وعظ

فرمارہے تھے۔ وہ اسی وعظ کو سننے کے لئے مسجد کی طرف جارہے تھے۔ مسجد اس وقت لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور جیسے ہماری مجلسوں میں بعض لوگ کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس وقت بعض لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے تھے۔ جب وعظ فرماتے فرماتے رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے کنارے کے لوگوں کو دیکھا تو آپ نے خیال فرمایا کہ ان کے پیچھے بھی بعض لوگ ہیں جن تک ان کے کھڑے ہونے کی وجہ سے آواز نہیں جاتی ہو گی۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو عبد اللہ بن مسعود جو گلی میں چل رہے تھے اور اس وقت مسجد کے قریب پہنچ چکے تھے وہیں بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح گھسٹ گھسٹ کر انہوں نے مسجد کی طرف جانا شروع کر دیا۔ کوئی دوست جو پاس سے گزر رہا تھا اس نے کہا عبد اللہ بن مسعودؓ یہ تم نے کیا مضحکہ خیز حرکت شروع کر دی ہے کہ زمین پر بیٹھے بیٹھے چل رہے ہو سیدھی طرح کیوں نہیں چلتے۔ انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ مجھے محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی آواز آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ۔ مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے کیا پتہ مَیں وہاں تک زندہ پہنچوں یا نہ پہنچوں۔ ایسا نہ ہو میرا خاتمہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی نافرمانی میں ہو۔ اس لئے مَیں یہیں بیٹھ گیا اور مَیں نے بیٹھے بیٹھے مسجد کی طرف جانا شروع کر دیا۔[4]

اب ذرا مقابلہ کرو اس واقعہ کا عمرو بن کلثوم کے واقعہ سے کہ ایک بادشاہ کی دعوت پر وہ جاتا ہے اور اس کی ماں کو بادشاہ کی ماں کوئی بڑا کام نہیں بتاتی بلکہ وہ کام بتاتی ہے جو وہ خود کر رہی ہے اور اپنے بیٹے سے کم درجہ رکھنے والے شخص کے لئے کر رہی ہے۔ پھر وہ کام کوئی بہت بڑا نہیں بتاتی بلکہ جو کچھ وہ کر رہی تھی اس میں سے بھی ایک نہایت معمولی اور چھوٹا سا کام کرنے کے لئے اسے کہتی ہے مگر اس کی طبیعت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی اور اِدھر وہ بات کہتی ہے اُدھر وہ شور مچانے لگ جاتی ہے کہ میری ہتک ہو گئی مگر اسی گروہ کا ایک اَور فرد گلی میں رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی آواز سنتا ہے اور گلی میں سن کر ہی بیٹھ جاتا اور ایسی حرکت کرتا ہے جو دنیا میں عام طور پر ذلیل سمجھی جاتی ہے۔ تم اپنے طور پر ہی اندازہ کر لو کہ اگر کوئی بڑا آدمی جو فرض کرو گاؤں کا نمبردار یا مکھیا یا چودھری وغیرہ ہو زمین پر بیٹھا ہوا اپنے پیروں پر گھسٹ گھسٹ کر جا رہا ہو تو تم پر کیسا بُرا اثر پڑے گا۔ تم یقیناً اسے پاگل سمجھو گے مگر صحابہؓ کی

یہ حالت تھی کہ وہ اپنے آپ کو پاگل ہی بنا بیٹھے تھے محمد ﷺ کی اطاعت میں کیونکہ وہ سمجھتے تھے محمد ﷺ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

پھر مدینہ کے لوگ لڑائی کے کام میں نہایت ادنیٰ اور ذلیل سمجھے جاتے تھے جیسے ہمارے ملک میں بعض قومیں لڑائی کے فن کی اہل نہیں سمجھی جاتیں۔ اسی طرح مدینہ کے لوگوں کو لڑائی کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مدینہ کے لوگ بے شک مالدار تھے اور وہ اچھے زمیندار تھے مگر جیسے ہمارے ملک میں بعض قومیں بعض پیشوں کی وجہ سے ذلیل سمجھی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ ذلیل سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے اور کھیتی باڑی کو عرب لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔ عرب لوگ اس بات پر ناز کرتے تھے کہ ان کے پاس اتنے گھوڑے ہیں، اتنے اونٹ ہیں، وہ اس طرح ڈاکہ مارتے ہیں اور اس اس طرح لوگوں پر حملے کرتے ہیں مگر مدینہ کے لوگ ایک گاؤں میں بستے اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ وہ نہ ڈاکہ مارتے تھے، نہ اونٹ اور گھوڑے کثرت سے رکھ سکتے تھے کیونکہ اگر وہ اونٹ اور گھوڑے رکھتے تو انہیں کھلاتے کہاں سے۔ اس لئے وہ دوسرے عربوں کی نگاہ میں نسبتاً ادنیٰ سمجھے جاتے تھے اور عرب کے لوگ تو ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ تو سبزی ترکاری بونے والے ہیں اور درحقیقت وہ تھے بھی ایسی ہی حالت میں۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ جو لوگ ترفُّہ میں پڑ جائیں، باغات بنالیں، کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں اور مال و دولت جمع کرنے میں لگ جائیں انہوں نے کیا لڑنا ہے اور وہ تو کئی پشتوں سے نسلاً بعد نسلٍ یہی کام کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس لئے وہ لڑائی کے قابل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ آپس میں بے شک بعض دفعہ لڑ پڑتے تھے مگر آپس میں لڑنا اَور بات ہے اور لڑائی کے میدان میں جا کر لڑنا اور بات ہے۔ ہمارے ملک میں کشمیری لڑائی کے قابل نہیں سمجھے جاتے مگر آپس میں وہ بھی لڑتے ہیں چنانچہ مَیں نے کشمیر میں ہانجیوں[5] کو دیکھا ہے کہ جب وہ آپس میں لڑتے ہیں تو کسی نے چاول کُوٹنے کا موصل اٹھایا ہوا ہوتا ہے، کوئی لوٹا اٹھا کر دوسرے کو مارنے کے لئے دوڑتا ہے اور کوئی تھالی کسی کے سر پر دے مارتا ہے۔ نہ سہی تلوار، نہ سہی بندوق مگر لوٹے، ڈنڈے اور تھالیاں تو ان کے پاس ہوتی ہیں۔ وہ انہی کو اٹھا کر ایک دوسرے سے لڑنے لگ جاتے ہیں۔ تو بے شک مدینہ کے لوگوں میں بھی لڑائی

ہوتی تھی مگر وہ ایسی نہیں تھی جیسی جنگی قوموں میں لڑائی ہوتی ہے بلکہ وہ اسی رنگ کی ہوا کرتی تھی جیسے کشمیری آپس میں لڑتے ہیں۔ لیکن بہادر جنگجو تجربہ کار سپاہیوں سے جا کر لڑنا اَور بات ہوتی ہے اور آپس میں لڑنا اَور بات ہوتی ہے۔ تو عرب کی نگاہ میں مدینہ کے لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے اور حقارت سے وہ ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ تو کھیتی باڑی کرنے والے لوگ ہیں۔ مگر انہی لوگوں کو دیکھو رسول کریم ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے بعد ان میں کتنا عظیم الشان فرق پیدا ہو گیا کہ وہی سبزی ترکاری بونے اور کھیتی باڑی کرنے والے لوگ دنیا کے بہترین سپاہی بن گئے۔

بدر کے موقع پر مکہ کے بڑے بڑے سردار جمع تھے اور وہ خیال کرتے تھے کہ آج ہم مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس دن ایک ہزار تجربہ کار سپاہی جو بیسیوں لڑائیاں دیکھ چکا تھا اور جن کا دن رات کا شغل لڑائیوں میں شامل ہونا اور دشمنوں پر تلوار چلانا تھا مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آراء تھا اور مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ان تین سو تیرہ مسلمانوں میں سے بعض کے پاس تلواریں تک نہ تھیں اور وہ لاٹھیاں لے کر آئے ہوئے تھے۔ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں جب رسول کریم ﷺ جنگ کے لئے چلے تو دو انصاری لڑکے بھی بضد ہو گئے کہ ہم نے بھی ساتھ چلنا ہے۔ آخر رسول کریم ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ جب دونوں صفیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کھڑی ہوئیں تو حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ جو نہایت ہی بہادر اور تجربہ کار سپاہی تھے کہتے ہیں اُس دن ہمارے دلوں کے ولولے کوئی شخص نہیں جان سکتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ آج جبکہ خدا نے ہمیں لڑنے کی اجازت دے دی ہے ہم مکّے والوں سے ان مظالم کا بدلہ لیں گے جو انہوں نے ہم پر کئے۔ مگر وہ کہتے ہیں اچھا سپاہی تبھی اچھا لڑ سکتا ہے جب اس کا دایاں اور بایاں پہلو مضبوط ہو تا کہ جب وہ حملہ کرے اور دشمن کی صفوں میں گھس جائے تو وہ دونوں اس کی پشت کو دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھیں۔ آخر ایک شخص کی چار آنکھیں تو ہوتی نہیں کہ وہ آگے بھی دیکھے اور پیچھے سے بھی اپنی پیٹھ کو دشمن کے وار سے محفوظ رکھ سکے۔ اس لئے بہادر سپاہی ہمیشہ درمیان میں کھڑے کئے جاتے ہیں تا اُن کے دائیں بائیں حفاظت کا خاص سامان رہے اور جب وہ دشمن کی

صف کو چیر کر آگے بڑھیں تو ان کی پیٹھ کی حفاظت ہوتی رہے۔ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کہتے ہیں مَیں نے اسی خیال کے ماتحت اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ دیکھوں میرے دائیں بائیں کون کھڑے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میری جو نظر پڑی تو مَیں نے دیکھا وہی دو انصاری لڑکے پندرہ پندرہ سال کی عمر کے میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ان لڑکوں کو دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا اور مَیں نے اپنے دل میں کہا۔ اول تو یہ مدینہ کے رہنے والے ہیں جہاں کے لوگ لڑائی کے فن سے ناآشنا ہیں۔ پھر یہ پندرہ پندرہ سال کے لڑکے ہیں انہوں نے میری کیا حفاظت کرنی ہے۔ بس آج تو میرے دل کے جوش دل میں ہی رہیں گے اور مَیں اپنی حسرت نکال نہیں سکوں گا۔ مگر وہ کہتے ہیں یہ خیال ابھی میرے دل میں آیا ہی تھا کہ مجھے اپنے دائیں طرف سے پہلو میں کُہنی لگی مَیں نے مڑ کر اس لڑکے کی طرف دیکھا کہ وہ مجھے کیا کہنا چاہتا ہے وہ اپنا مُنہ میرے کان کے قریب لایا اور اس نے آہستگی سے مجھے کہا۔ چچا وہ ابو جہل کونسا ہے جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو دکھ دیا کرتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آج اس سے بدلہ لوں۔ وہ کہتے ہیں اس سوال پر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ مَیں جو تجربہ کار سپاہی تھا میرے دل میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ ابو جہل پر جو سالار لشکر تھا اور جس کے ارد گرد ایک ہزار تجربہ کار اور مسلّح سپاہی کھڑا تھا حملہ کروں۔ مگر وہ کہتے ہیں مَیں ابھی اس کو کوئی جواب دینے نہیں پایا تھا کہ مجھے اپنی بائیں طرف سے پہلو میں کُہنی لگی۔ مَیں نے اس کی طرف رخ کیا تو وہ بھی میرے کان کے قریب اپنا مُنہ لایا اور کہنے لگا چچا! وہ ابو جہل کونسا ہے جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو دکھ دیا کرتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آج اس سے بدلہ لوں۔ گویا دونوں لڑکوں نے ایک ہی سوال کیا اور دونوں نے آہستگی کے ساتھ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ سے اس لئے دریافت کیا کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ میرا دوسرا ساتھی یہ بات نہ سن لے اور یہ نعمت اس کی بجائے اس کے دوسرے ساتھی کو حاصل نہ ہو جائے۔ مگر ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ان دونوں کے دلوں میں ایمان نے ایک ہی جذبہ پیدا کر رکھا تھا۔ حضرت عبد الرحمانؓ بن عوف کہتے ہیں ان دونوں کے اس سوال سے میرے دل پر حیرت طاری ہو گئی اور مجھے ان کے ایمان کو دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا چنانچہ مَیں نے انگلی اٹھا کر یہ بتانے کے لئے کہ تمہارا خیال کیسا ناممکن ہے۔ کہا کہ وہ قلبِ لشکر

میں جو شخص گھوڑے پر سوار ہے اور سر سے پیر تک مسلّح ہے اور جس کے آگے دو جرنیل ننگی تلواریں لے کر پہرہ دے رہیں وہ ابو جہل ہے۔ اس وقت ابو جہل کے سامنے ایک تو عکرمہ ننگی تلوار لے کر پہرہ دے رہا تھا اور ایک اَور مشہور جرنیل تھا جس کا نام اس وقت یاد نہیں۔ عکرمہ جیسے بہادر سپاہی نے بعد میں اسلام لا کر جو قربانیاں کی ہیں اور جس طرح دشمنوں کی صفوں کو چیرا ہے وہ بتاتا ہے کہ عکرمہ کوئی معمولی انسان نہیں تھا بلکہ اس وقت دنیا کے بہترین سپاہیوں میں سے تھا اور وہ دونوں اُس وقت ننگی تلواریں لے کر ابو جہل کے سامنے کھڑے تھے۔ غرض عبد الرحمان بن عوف کہتے ہیں مَیں نے انگلی اٹھا کر انہیں بتایا کہ ابو جہل کونسا ہے اور میری غرض یہ تھی کہ انہیں معلوم ہو جائے ان کا خیال کیسا ناممکن ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں ابھی میری انگلی نیچے نہیں آئی تھی کہ جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا ہے اسی طرح انہوں نے یکدم حملہ کر دیا اور پیشتر اس کے کہ کفار کے لشکر کو ہوش آئے کہ یہ ہو کیا گیا ہے انہوں نے ابو جہل کو زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔ اس دوران میں ایک کا ہاتھ کٹ گیا تو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کو الگ پھینک کر پھر آگے بڑھا اور دونوں نے ابو جہل کو زخمی کر کے نیچے گرا دیا اور اس طرح کفار کی طرف سے اس دن بدر کی لڑائی بے جرنیل کے لڑی گئی۔[6]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں جب لڑائی ختم ہو گئی تو مَیں یہ دیکھنے کے لئے میدان جنگ میں گیا کہ ابو جہل کا کیا بنا ہے؟ مَیں نے دیکھا کہ وہ زخموں کی تکلیف کی وجہ سے کراہ رہا ہے۔ مَیں نے اس سے کہا سناؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا مَیں اب مرنے والا ہوں مگر مجھے اپنی موت کا کوئی افسوس نہیں کیونکہ سپاہی موت سے نہیں ڈرا کرتا۔ مجھے حسرت ہے تو یہ ہے کہ مدینہ کے دو لڑکوں نے مجھے مارا ہے۔ اب تُو مجھے دیکھنے کے لئے آیا ہے تُو مکّے کا آدمی ہے اور تُو جانتا ہے کہ مَیں اپنی قوم میں کیسا معزز ہوں۔ مَیں اب زخموں کی تکلیف کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا تُو تلوار لے کر میری گردن کاٹ دے مگر دیکھنا میری گردن ذرا لمبی کاٹنا کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ مَیں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ سر کے پاس سے میری گردن کاٹی گئی تو اس میں میری ذلت ہو گی۔ دھڑ کے پاس سے میری گردن لمبی رکھ کر کاٹنا تاکہ میری سرداری کا نشان قائم رہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مَیں نے اسے کہا یہ تیری آخری خوشی بھی مَیں

تجھے نصیب نہیں ہونے دوں گا اور سر کے پاس سے تیری گردن کاٹوں گا چنانچہ انہوں نے سر کے پاس سے اس کی گردن کاٹی۔[7]

تو دیکھو وہ قوم جو اتنی ذلیل سمجھی جاتی تھی کہ اس کے افراد کو لڑائی کے قابل ہی خیال نہیں کیا جاتا تھا محمد ﷺ پر ایمان لانے کے طفیل اس میں کتنا تغیر پیدا ہوا کہ ابو جہل مرتا ہے تو اس حسرت کے ساتھ کہ مجھے مدینہ کے دو لڑکوں نے مارا۔ وہ کہتا ہے مرنے کی پرواہ نہیں۔ سپاہی لڑائی میں مرا ہی کرتے ہیں مجھے حسرت اور افسوس ہے تو یہ کہ مدینہ کے دو لڑکوں نے مجھے مارا۔ گویا وہ لوگ جنہیں عرب سپاہی تک نہیں سمجھتے تھے جب محمد ﷺ پر ایمان لائے تو وہ خدا جس کے قبضہ میں دل ہیں اور جو کمزور کو قوی بنانے کی طاقت رکھتا ہے اس نے ان کو ایسا بہادر اور جری بنا دیا کہ ایک تجربہ کار جرنیل جس بات کو ناممکن سمجھتا تھا خدا نے وہ کام اس قوم کے دو بچوں کے ہاتھ سے کرا دیا۔

پھر عرب لوگوں کے اندر اس قدر غیرت ہوا کرتی تھی کہ وہ غیرت میں اپنی ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ مگر دیکھو پھر کس طرح خدا نے ان کے دل بدل ڈالے اور ان کے دلوں سے جھوٹی غیرت کا احساس تک جاتا رہا۔

ایک نوجوان ایک دفعہ شادی کے لئے ایک شخص کے پاس پہنچا اور کہنے لگا مَیں تیری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں بھی تجھے ہر طرح پسند کرتا ہوں اور مجھے اپنی لڑکی کا تجھ سے نکاح کر دینے میں کوئی عذر نہیں۔ نوجوان نے کہا مگر مَیں لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ مَیں تجھے اپنی لڑکی دکھا دوں۔ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مَیں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر اس کا باپ لڑکی کی شکل مجھے نہیں دکھاتا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ غلطی کرتا ہے۔ اسے لڑکی دکھا دینی چاہیئے۔ وہ پھر اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا تم نے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ مَیں لڑکی نہیں دکھاتا۔ مَیں نے اس بارہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ نکاح کے موقع پر لڑکی کو دیکھ لینا جائز ہے۔ باپ کہنے لگا جائز ہو گا مگر مَیں تمہیں نہیں دکھاتا۔ جائز ہونا اَور بات ہے اور میرا تمہیں اپنی لڑکی دکھانا اَور بات ہے۔ تم کسی اَور جگہ رشتہ کر لو۔ اس کی

لڑکی اندر بیٹھی ہوئی یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ جونہی اس نے یہ بات سنی وہ فوراً ننگے مُنہ باہر نکل آئی اور کہنے لگی۔ باپ! آپ کیا کہتے ہیں؟ جب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہتے ہیں کہ لڑکی کو نکاح سے قبل دیکھ لینا جائز ہے تو آپ کو اس سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ پھر وہ اس نوجوان سے کہنے لگی لو مَیں تمہارے سامنے کھڑی ہوں مجھے دیکھ لو۔ اس نوجوان نے کہا مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں مجھے ایسی ہی لڑکی پسند ہے جو خدا اور اس کے رسول کی ایسی فرمانبردار ہے۔[8]

تو دیکھو کس طرح اہل عرب کے قلوب کو بظاہر دنیوی عزتیں قربان کرنے کے لئے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تیار کر دیا کہ ان کے مد نظر سوائے اس کے اَور کوئی بات نہ رہی کہ خدا اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے؟

تو قلوب کو دنیا کی کوئی حکومت نہیں بدل سکتی۔ قلوب کو اللہ تعالیٰ ہی بدلتا ہے۔ بزدل بہادر بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت اور بہادر بزدل بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت، کنجوس سخی بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت اور سخی کنجوس بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت، جاہل عالم بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت اور عالم جاہل بن جاتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت۔ جب خدا کسی قوم کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اس کو مٹا ڈالو تو اس کے عالم جاہل ہو جاتے ہیں، اس کے بہادر بزدل ہو جاتے ہیں، اس کے سخی کنجوس ہو جاتے ہیں اور اس کے طاقتور کمزور ہو جاتے ہیں۔ مگر جب خدا کسی قوم کے متعلق فیصلہ کرتا ہے کہ اسے بڑھایا جائے تو اس کے کمزور بہادر بن جاتے ہیں، اس کے جاہل عالم بن جاتے ہیں، اس کے بخیل سخی بن جاتے ہیں اور اس کے بیوقوف عقلمند بن جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگیوں میں اس قسم کی کئی مثالیں دیکھی ہیں۔ صحابہؓ کی مثالیں تو ظاہر ہی ہیں۔

احمدیوں میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص اخلاص کے ساتھ احمدی ہوتا ہے وہ اَن پڑھ اور جاہل ہوتا ہے مگر احمدی ہوتے ہی اس کی زبان اس طرح کھل جاتی ہے کہ بڑے بڑے مولوی اس کے ساتھ بات کرنے سے گھبرانے اور کترانے لگ جاتے ہیں۔ مگر ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض علم والے آدمی ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں مگر چونکہ اُن کے دلوں میں احمدیت کے متعلق اخلاص نہیں ہوتا اس لئے وہ اسی طرح جاہل رہتے ہیں جس طرح غیر احمدی

ہونے کی حالت میں علمِ دین سے جاہل ہوا کرتے تھے جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ہمارا علم ذاتی نہیں بلکہ خدا کا دیا ہوا علم ہے ہماری بہادری اپنی نہیں بلکہ خدا کی دی ہوئی بہادری ہے اور ہماری قربانیاں اپنی نہیں بلکہ خدا کی دی ہوئی توفیق کا نتیجہ ہیں اگر وہ خدا کی دی ہوئی بہادری نہ ہوتی، اگر وہ خدا کا دیا ہوا علم نہ ہوتا۔ اگر وہ خدا کی دی ہوئی جرأت نہ ہوتی تو اس کا اخلاص سے کیا تعلق ہوتا؟ پھر تو عادات سے اور محنت سے اور ذاتی جدوجہد اور کوشش سے اس کا تعلق ہوتا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں، وہ لوگ جو دنیوی لحاظ سے ان باتوں سے بالکل نابلد ہوتے ہیں مگر ان کے دلوں میں اخلاص ہوتا ہے۔ ان کو بھی خدا تعالیٰ وقت پر ایسی ایسی باتیں سمجھا دیتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ یہاں ایک شخص "پیرا" ہوا کرتا تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خادم تھا۔ وہ اتنی موٹی عقل کا آدمی تھا کہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ احمدیت کیا ہے لیکن اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ذاتی لگاؤ تھا کہیں اس کو گنٹھیا کی بیماری ہو گئی۔ وہ پہاڑی آدمی تھا اس کے رشتہ داروں کو بعض لوگوں نے کہا کہ یہاں اس کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ اسے کہیں میدانوں میں لے جاؤ چنانچہ وہ اسے گورداسپور لے آئے مگر چونکہ وہ سب غریب آدمی تھے اور ایسے لوگوں کو روٹی بھی کھلانی پڑتی ہے اور دوائی بھی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے کوئی شخص علاج کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا آخر کسی نے ان کو بتایا کہ قادیان میں ایک مرزا صاحب ہیں جو بڑے خدا پرست ہیں۔ وہ معالج اور حکیم بھی ہیں۔ ان کے پاس لے جاؤ وہ اس کی خبر گیری بھی کریں گے اور دوائی بھی دیں گے۔ چنانچہ اس کے رشتہ دار اسے حضرت صاحبؑ کے پاس لے آئے اور اُسے یہاں چھوڑ کر کِھسک گئے۔ حضرت صاحب نے اس کا علاج کیا اور آہستہ آہستہ اُسے آرام آنا شروع ہو گیا۔ جب اس کے رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہے اور کام کاج کر سکتا ہے تو دوسری سردیوں میں پھر اس کے رشتہ دار یہاں آئے اور کوشش کی کہ وہ ان کے ساتھ چل پڑے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں نیکی تھی جب انہوں نے اسے کہا کہ ہم تجھے لینے کے لئے آئے ہیں تو وہ کہنے لگا تم بے شک میرے رشتہ دار ہو مگر تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے اس لئے اب تو جس نے میرا علاج کیا اور جس کی وجہ سے مَیں اچھا ہوا، میرا رشتہ دار وہی ہے۔ مَیں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ ڈیوڑھی پر پڑا رہتا تھا

اور جو مہمان آتا تھا اس کی خدمت کرتا تھا اسی طرح گھر کا معمولی کام کاج بھی کر دیا کرتا تھا۔ اس کی عقل کا یہ حال تھا کہ حضرت خلیفہ اول اسے بڑا مجبور کیا کرتے تھے کہ وہ نماز پڑھے مگر وہ یہی جواب دیتا تھا کہ مجھے نماز نہیں آتی۔ حضرت خلیفہ اول کو بھی بڑا جوش تھا کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے دروازے پر بیٹھا رہتا ہے اور نمازیں نہیں پڑھتا۔ لوگ اسے دیکھیں گے تو اعتراض کریں گے۔ اس لئے آپ اُسے بار بار نماز پڑھنے کی نصیحت کیا کرتے تھے مگر وہ جواب دیتا کہ مجھے نماز یاد ہی نہیں ہوتی۔ آخر حضرت خلیفہ اول نے تنگ آکر اسے فرمایا کہ نماز نہیں آتی تو سُبْحَانَ اللہ سُبْحَانَ اللہ ہی کہہ لیا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی ساتویں آٹھویں دن نماز میں شامل ہو جاتا تھا اور سُبْحَانَ اللہ سُبْحَانَ اللہ کہتا رہتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول نے ایک دن اس خیال سے کہ شاید انعام کے لالچ سے اُسے نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے۔ اُسے فرمایا۔ پِیرے اگر تم ایک دن پانچوں نمازیں وقت پر پڑھو اور ایک نماز کا بھی ناغہ نہ کرو تو مَیں تمہیں دو روپے انعام دوں گا۔ دو روپے اس کے لئے بڑا بھاری انعام تھا۔ وہ کہنے لگا آج ضرور پانچوں نمازیں پڑھوں گا۔ شاید عشاء کا وقت تھا جب اس نے نماز شروع کی صبح ہوئی تو پھر بھی اس نے ہمت کر کے نماز پڑھ لی۔ ظہر اور عصر میں بھی کسی نہ کسی طرح شامل ہو گیا۔ صرف مغرب کی نماز رہتی تھی ان دنوں چونکہ مہمان بہت تھوڑے ہوا کرتے تھے اس لئے ان کا کھانا ہمارے گھر میں تیار ہوا کرتا تھا اور مغرب کے وقت ان کا کھانا گھر سے جایا کرتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن مغرب کی نماز نسبتاً دیر سے ہوئی اور کھانا لے جانے کا وقت ہو گیا۔ جو عورت اندر سے کھانا لایا کرتی تھی اس نے پِیرے کو آواز دی کہ پِیرے کھانا تیار ہے مہمانوں کے لئے لے جاؤ مگر پِیرا مسجد میں تھا اور اُس وقت نماز ہو رہی تھی۔ لیکن بلانے والی عورت کو اس کا علم نہ تھا۔ اس نے دو چار آوازیں دیں مگر پِیرا وہاں ہوتا تو جواب دیتا۔ آخر اس نے زور سے آواز دی کہ پِیریا کھانا لے جا نہیں تو مَیں تیری شکایت کروں گی۔ یہ آواز چونکہ اس نے زور سے دی تھی اس لئے پِیرے نے بھی سن لی جس پر اس نے نماز میں ہی جواب دیا کہ ٹھہر جا اَلتَّحِیَّات پڑھ لواں تے آنداں آں۔ یعنی تشہد پڑھ کر آتا ہوں۔ گویا عین آخری تشہد میں وہ بول پڑا اور اس طرح اس نے اپنے دو روپے کھو دیئے۔ تو وہ بہت ہی موٹی عقل کا آدمی تھا اور اسے اتنی

سمجھ بھی نہیں تھی کہ نماز میں بولنا منع ہے۔ اُس وقت قادیان میں نہ تار گھر تھا اور نہ ریل آیا کرتی تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی تار دینے کی ضرورت پیش آتی یا کوئی ریلوے پارسل منگوانا ہوتا تو آپؑ بٹالے کسی آدمی کو بھجوادیا کرتے تھے اور کبھی کبھی پیرے کو بھی اس غرض کے لئے بھیج دیتے تھے۔ ان دنوں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو ہمارے سلسلہ کے اشدّ ترین مخالفوں میں سے تھے۔ سٹیشن پر جایا کرتے تھے اور جب کسی نووارد مہمان کو اترتے دیکھتے تو اس سے پوچھتے کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے اور جب کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ قادیان جانا چاہتا ہے تو اسے ورغلانے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ قادیان میں جاکر تو تمہارا ایمان خراب ہو جائے گا۔ ایک دن انہیں اَور کوئی شکار نہ ملا تو انہوں نے پیرے کو ہی پکڑ لیا وہ اُس دن کوئی تار دینے یا کوئی بلٹی لینے کے لئے بٹالے گیا ہوا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب اسے کہنے لگے۔ پیرے تیرا تو ایمان خراب ہو گیا ہے۔ مرزا صاحبؑ کافر اور دجّال ہیں تو اپنی عاقبت ان کے پیچھے لگ کر کیوں خراب کرتا ہے۔ پیرا ان کی باتیں سنتا رہا سنتا رہا۔ جب وہ اپنا جوش نکال چکے تو انہوں نے اپنی باتوں کی پیرے سے بھی تصدیق کرانی چاہی اور انہوں نے اس سے پوچھا بتاؤ میری باتیں کیسی ہیں۔ پیرا کہنے لگا مولوی صاحب مَیں تو اَن پڑھ اور جاہل ہوں، مجھے نہ کوئی علم ہے اور نہ مَیں مسئلے سمجھ سکتا ہوں لیکن ایک بات ہے جو مَیں بھی سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ مَیں سالہا سال سے بلٹیاں لینے اور تاریں دینے کے لئے یہاں آتا ہوں اور مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سٹیشن پر آکر لوگوں کو قادیان جانے سے منع کرتے ہیں۔ آپ کی اب تک شاید اس کوشش میں کتنی ہی جوتیاں گِھس گئی ہوں گی مگر مولوی صاحب پھر بھی آپ کی کوئی نہیں سنتا اور مرزا صاحب قادیان میں بیٹھے ہیں اور پھر بھی لوگ اُن کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے یہ فرق ہے۔

اب دیکھو یہ کیسا لطیف اور صحیح جواب ہے۔ وہ فی الحقیقت دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ دلائل کیا ہوتے ہیں مگر فطرت کے لگاؤ اور محبت کی وجہ سے اس نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ شیطان ہے اور یہ شخص بہرحال جھوٹ بول رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو بعض دفعہ ایسی باتیں سمجھا دیتا ہے کہ انسان کی عقل

دنگ ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے پاس سارے سامان ہیں اور جس چیز کی کمی ہو وہ اس کے پاس موجود ہوتی ہے۔ عقل کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے، جرأت کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے، سخاوت کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے، صحت کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے، عزت کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے، مال کی کمی ہو تو وہ اس کے پاس موجود ہے۔ غرض ہر چیز کے خزانے اس کے پاس موجود ہیں اور وہ اپنے بندوں کو ان خزانوں میں سے ایسے رنگ میں حصہ دیتا ہے کہ انسان حیران ہو جاتے ہیں۔

حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے (مَیں اس وقت بچہ تھا) کہ آتھم کے مباحثے میں مَیں نے جو نظارہ دیکھا اس سے پہلے تو ہماری عقلیں دنگ رہ گئیں اور پھر ہمارے ایمان آسمان پر پہنچ گئے۔ فرماتے تھے جب عیسائی مباحثہ سے تنگ آ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ ہمارا کوئی داؤ نہیں چلا تو چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہوں نے ہنسی اڑانے کے لئے یہ شرارت کی کہ کچھ اندھے، کچھ بہرے، کچھ لولے اور کچھ لنگڑے بلا لئے اور انہیں مباحثہ سے پہلے ایک طرف چھپا کر بٹھا دیا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو جھٹ انہوں نے ان اندھوں، بہروں اور لولوں لنگڑوں کو نکال کر آپ کے سامنے پیش کر دیا اور کہا زبانی باتوں سے جھگڑے طے نہیں ہوتے۔ آپ کہتے ہیں مَیں مسیح ناصری کا مثیل ہوں اور مسیح ناصری اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے تھے، بہروں کو کان بخشا کرتے تھے اور لُولوں لنگڑوں کے ہاتھ پاؤں درست کر دیا کرتے تھے۔ ہم نے آپ کو تکلیف سے بچانے کے لئے اس وقت چند اندھے بہرے اور لولے لنگڑے اکٹھے کر دیئے ہیں۔ اگر آپ فی الواقع مثیل مسیح ہیں تو ان کو اچھا کر دیجئے۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کے دل ان کی اس بات کو سن کر بیٹھ گئے اور گو ہم سمجھتے تھے کہ یہ بات یونہی ہے مگر اس خیال سے گھبرا گئے کہ آج لوگوں کو ہنسی اور ٹھٹھے کا موقع مل جائے گا۔ مگر جب ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرہ کو دیکھا تو آپ کے چہرہ پر ناپسندیدگی یا گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ تھے۔ جب وہ بات ختم کر چکے تو آپ نے فرمایا دیکھئے پادری صاحب مَیں جس مسیح کے مثیل ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، اسلامی تعلیم کے مطابق وہ اس قسم کے اندھوں، بہروں اور لُولوں لنگڑوں کو اچھا نہیں کیا کرتا تھا۔ مگر آپ کا عقیدہ

یہ ہے کہ مسیح جسمانی اندھوں، جسمانی بہروں، جسمانی لولوں اور جسمانی لنگڑوں کو اچھا کیا کرتا تھا اور آپ کی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہو اور تم پہاڑوں سے کہو کہ وہ چل پڑیں تو وہ چل پڑیں گے اور جو معجزے مَیں دکھاتا ہوں وہ سب تم دکھا سکو گے۔ پس یہ سوال مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ مَیں تو وہ معجزے دکھا سکتا ہوں جو میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دکھائے۔ آپ ان معجزوں کا مطالبہ کریں تو مَیں دکھانے کے لئے تیار ہوں۔ باقی رہے اس قسم کے معجزے سو آپ کی کتاب نے بتا دیا ہے کہ ہر وہ عیسائی جس کے اندر ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو ویسے ہی معجزے دکھا سکتا ہے جیسے حضرت مسیح ناصری نے دکھائے۔ سو آپ نے بڑی اچھی بات کی جو ہمیں تکلیف سے بچا لیا اور ان اندھوں، بہروں، لُولوں لنگڑوں کو اکٹھا کر دیا۔ اب یہ اندھے، بہرے اور لولے لنگڑے موجود ہیں۔ اگر آپ میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان موجود ہے تو ان کو اچھا کر کے دکھا دیجئے۔ آپ فرماتے تھے اس جواب سے پادریوں کو ایسی حیرت ہوئی کہ بڑے بڑے پادری ان لولوں لنگڑوں کو کھینچ کھینچ کر الگ کرنے لگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو ہر موقع پر عزت بخشتا ہے اور ان کو ایسے ایسے جواب سمجھاتا ہے جن کے بعد دشمن بالکل ہکّا بکّا رہ جاتا ہے۔

یہیں قادیان میں ایک دفعہ پادری زویمر آیا جو دنیا کا مشہور ترین پادری اور امریکہ کا رہنے والا تھا۔ وہ وہاں کے ایک بہت بڑے تبلیغی رسالہ کا ایڈیٹر بھی تھا اور یوں ساری دنیا کی عیسائی تبلیغی سوسائٹیوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس نے قادیان کا بھی ذکر سنا ہوا تھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو اَور مقامات کو دیکھنے کے بعد وہ قادیان آیا۔ اس کے ساتھ ایک اَور پادری گارڈن نامی بھی تھا۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اُس وقت زندہ تھے انہوں نے اسے قادیان کے تمام مقامات دکھائے مگر پادری آخر پادری ہوتا ہے نیش زنی سے باز نہیں آ سکتا۔ اُن دنوں قادیان میں ابھی ٹاؤن کمیٹی نہیں بنی تھی اور گلیوں میں بہت گند پڑا رہتا تھا۔ پادری زویمر باتوں باتوں میں ہنس کر کہنے لگا ہم نے قادیان بھی دیکھ لیا اور نئے مسیحؑ کے گاؤں کی صفائی بھی دیکھ لی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسے ہنس کر کہنے لگے پادری صاحب ابھی پہلے مسیح کی حکومت ہندوستان پر ہے اور یہ اُس کی صفائی کا نمونہ ہے نئے مسیح کی حکومت ابھی

قائم نہیں ہوئی اس پر وہ بہت ہی شرمندہ اور ذلیل ہو گیا۔

پھر اس نے مجھے کہلا بھیجا کہ مَیں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ میری طبیعت کچھ خراب تھی مَیں نے جواب دیا کہ پادری صاحب بتائیں وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں مگر پہلے نہیں بتا سکتا۔ خیر مَیں نے اُن کو بلا لیا۔ وہ بھی آ گئے اور پادری گارڈن صاحب بھی آ گئے۔ ایک دو دوست اور بھی موجود تھے۔ پادری زویمر کہنے لگے مَیں ایک دو سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگے اسلام کا عقیدہ تناسخ کے متعلق کیا ہے؟ آیا وہ اس مسئلہ کو مانتا ہے یا اس کا انکار کرتا ہے۔ جونہی اس نے یہ سوال کیا معاً اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیا کہ اس کا سوال سے منشا یہ ہے کہ تم جو مسیح موعودؑ کو مسیح ناصری کا بروز اور ان کا مثیل کہتے ہو تو آیا اس سے یہ مطلب ہے کہ مسیح ناصری کی روح ان میں آ گئی ہے۔ اگر یہی مطلب ہے تو یہ تناسخ ہوُا اور تناسخ کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ چنانچہ مَیں نے اسے ہنس کر کہا پادری صاحب آپ کو غلطی لگی ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ مرزا صاحب میں مسیح ناصری کی روح آ گئی ہے بلکہ ہم ان معنوں میں آپ کو مسیح ناصریؑ کا مثیل کہتے ہیں کہ آپ مسیح ناصریؑ کے اخلاق اور روحانیت کے رنگ میں رنگین ہو کر آئے ہیں۔ مَیں نے جب یہ جواب دیا تو اس پادری کا رنگ فَق ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا یہ سوال ہے۔ مَیں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ آیا آپ کا اس سوال سے یہی منشاء تھا یا نہیں۔ کہنے لگا ہاں میرا منشاء تو یہی دریافت کرنا تھا اور مَیں حیران تھا کہ جب قرآن تناسخ کے خلاف ہے تو احمدی مرزا صاحب کو مسیح موعود کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ پھر مَیں نے کہا اچھا اب آپ دوسرا سوال پیش کریں۔ کہنے لگا میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ نبی کی بعثت کیسے مقام پر ہونی چاہئے یعنی اس کو اپنا کام سرانجام دینے کے لئے کس قسم کا مقام چاہئے۔ جونہی اس نے یہ دوسرا سوال کیا معاً دوبارہ خدا نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس سوال سے اس کا منشاء یہ ہے کہ قادیان ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ دنیا کا مرکز کیسے بن سکتا ہے اور اس چھوٹے سے مقام سے ساری دنیا میں تبلیغ کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کی بعثت کا مقصد ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ پہنچانا ہے تو آپ کو ایسی جگہ بھیجنا چاہئے تھا جہاں سے ساری دنیا میں آواز پہنچ سکتی نہ یہ کہ قادیان جو ایک

چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس میں آپ کو بھیج دیا جاتا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس کے سوال کے معاً بعد یہ بات میرے دل میں ڈال دی اور مَیں نے پھر اسے مسکرا کر کہا۔ پادری صاحب ناصرہ یا ناصرہ سے بڑا کوئی شہر ہو وہاں نبی آسکتا ہے۔ حضرت مسیح ناصری جس گاؤں میں ظاہر ہوئے تھے اس کا نام ناصرہ تھا اور ناصرہ کی آبادی بمشکل دس بارہ گھروں پر مشتمل تھی۔ میرے اس جواب پر پھر اس کا رنگ فَق ہو گیا اور وہ حیران ہوا کہ مَیں نے اس کی اسی بات کا جواب دے دیا جو در حقیقت اس کے سوال کے پس پردہ تھی۔ اس کے بعد اس نے تیسرا سوال کیا جو اس وقت مجھے یاد نہیں رہا مگر پہلے بعض دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ بہر حال اس نے تین سوال کئے اور تینوں سوالات کے متعلق قبل از وقت اللہ تعالیٰ نے القاء کر کے مجھے بتا دیا کہ اس کا ان سوالات سے اصل منشاء کیا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ چکر دے کر پہلے اَور سوال کرتا تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا اصل منشاء مجھ پر ظاہر کر دیا اور وہ بالکل لاجواب ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ قلوب پر عجیب رنگ میں تصرف کرتا اور اس تصرف کے ماتحت اپنے بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور یہ تصرف صرف خدا کے اختیار میں ہوتا ہے۔ بندوں کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ایک کج بحث مُلّا مسجد میں مجھے ملا اور کہنے لگا۔ مجھے مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت دیجئے۔ مَیں نے کہا قرآن موجود ہے۔ سارا قرآن حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت ہے۔ کہنے لگا کونسی آیت؟ مَیں نے کہا قرآن کی ہر آیت مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اب یہ تو صحیح ہے کہ قرآن کی ہر آیت ہی کسی نہ کسی رنگ میں نبی پر چسپاں ہو سکتی ہے مگر بعض آیتیں ایسی ہیں کہ ان کا سمجھانا اور یہ بتانا کہ کس رنگ میں اس سے نبی کی صداقت کا ثبوت نکلتا ہے بہت مشکل ہوتا ہے۔ فرض کرو کسی آیت میں لڑائی کا واقعہ بیان ہو تو اب گو اس سے بھی نبی کی صداقت ثابت کی جا سکتی ہے مگر وہ ایسا رنگ ہوتا ہے جو عام طبائع کی سمجھ سے بالا ہوتا ہے مگر مجھے اس وقت یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ تصرف فرما کر اس کی زبان سے وہی آیت نکلوائے گا جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت ہو جائے گی۔ خیر وہ اِصرار کرتا رہا کہ آپ کوئی آیت بتائیں۔ مگر مَیں اسے یہ کہوں کہ آپ کوئی آیت پڑھ دیں اسی سے مَیں حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت کر دوں گا۔ آخر اس نے

یہ آیت پڑھی کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔[9] میں نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی تصرّف ہے کہ اس نے اس کی زبان سے یہ آیت نکلوائی۔ چنانچہ مَیں نے اس سے کہا یہ آیت کن لوگوں کے متعلق ہے۔ مسلمانوں کے متعلق ہے یا غیر مسلموں کے متعلق۔ اس کا اصل سوال یہ تھا کہ جب مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں تو ان کے لئے کسی نبی کی کیا ضرورت ہے؟ جب اس نے یہ آیت پڑھی تو مَیں نے اس سے پوچھا کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق ہے۔ اس نے کہا مسلمانوں کے متعلق۔ مَیں نے کہا تو پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں بھی بعض لوگ خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر در حقیقت وہ مومن نہیں ہوتے اَور قرآن یہ بتاتا ہے کہ خالی اپنے آپ کو مومن کہہ لینا کافی نہیں جب تک انسان اپنے عمل سے بھی ایمان کا ثبوت نہ دے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جب مسلمان بھی بگڑ سکتے ہیں تو کیا خدا ان کی اصلاح کے لئے کسی نبی کو بھیجے گا یا نہیں بھیجے گا۔ دلوں کو تسلّی دینا تو خدا کا کام ہے مگر اس کی زبان بند ہو گئی اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور اس بات کا میرے دل میں پہلے ہی یقین تھا کہ جو آیت اس کے مُنہ سے نکلے گی وہ وہی ہو گی جس سے اس کی زبان بند ہو جائے گی۔ تو علم بھی خدا کے اختیار میں ہے، جرأت بھی خدا کے اختیار میں ہے، عزت بھی خدا کے اختیار میں ہے اور سخاوت بھی خدا کے اختیار میں ہے۔ بڑے بڑے بہادر ہوتے ہیں مگر جب خدا ان کے دلوں سے بہادری نکال لیتا ہے تو وہ بزدل ہو جاتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد جب ہوازن کی طرف سے حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور مکہ کے نَو مسلموں کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مکہ کے دو ہزار نو مسلم بڑی بڑی لافیں مارتے اور اپنی بہادری کے دعوے کرتے ہوئے نکلے مگر جب ہوازن نے زور سے حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ ڈالی تو سب سے پہلے وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اُن کے بھاگنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی بھگدڑ مچ گئی اور ان کے اونٹ اور گھوڑے میدان جنگ سے دوڑ پڑے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ اپنی سواریوں کو روکیں مگر سواریاں تھیں کہ کسی طرح مڑنے میں نہیں آتی تھیں۔ صرف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بارہ آدمی میدانِ جنگ میں رہ گئے۔ باقی سب میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ تو دیکھو وہ لوگ جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے یا کفر کی حالت میں ہی جنگ میں شامل ہوئے تھے اور سارے عرب میں بہترین سپاہی سمجھے جاتے تھے جب انہوں نے تکبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جرأتیں نکال لیں اور وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر پھر جو مومن تھے ان کو ان کے ایمان نے بچا لیا ورنہ نو مسلم جب بھاگے تو انہوں نے مکہ میں آکر دم لیا اور کئی منزلوں تک بھاگتے چلے آئے مگر مومن جو بھاگ رہے تھے وہ رک گئے اور بعض بھاگنا نہیں بھی چاہتے تھے مگر ان کی سواریاں بے قابو ہو رہی تھیں اور وہ بے تحاشا تیزی کے ساتھ بھاگتی چلی جا رہی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو بلایا اور فرمایا۔ اے عباس زور سے آواز دو کہ اے انصار! اے خدا کے رسول کے صحابیو! تم کو خدا کا رسول بلاتا ہے۔ جس وقت حضرت عباسؓ نے یہ آواز دی۔ ایک صحابی کہتے ہیں یا تو ہماری یہ حالت تھی کہ ہمارے اونٹ اور گھوڑے بھاگتے چلے جاتے تھے، ہم انہیں موڑنے کے لئے اپنا پورا زور صَرف کرتے تھے مگر وہ نہیں مڑتے تھے اور یا یہ حالت ہو گئی کہ جس وقت حضرت عباسؓ کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچی یوں معلوم ہوا جیسے قیامت کا دن ہے اور خدا تعالیٰ کھڑا ہوا روحوں کو بلا رہا ہے اور وہ قبروں سے اٹھ اٹھ کر اس کی طرف بھاگ رہی ہیں۔ غرض حضرت عباسؓ کی آواز کا ہمارے کانوں میں پہنچنا تھا کہ ہم اس طرح جوش سے بھر گئے کہ اُڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ جائیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ ہم میں سے بعض نے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو موڑ لیا اور جن کی سواریاں نہ مڑیں انہوں نے اپنی تلواریں نکال کر سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ [10]

تو دیکھو ایک وقت خدا نے کہا۔ نکال لو ان کے دلوں سے بہادری اور وہ نکال لی گئی مگر دوسرے ہی منٹ اس نے حکم دیا کہ بنا دو اِن کو دنیا کا سب سے بڑا بہادر اور وہ اسی وقت دنیا کے سب سے بڑے بہادر بنائے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سب کچھ آتا ہے انسانی طاقت کچھ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یاد رکھو دعائیں جب تک مضطر ہو کر نہ کی جائیں یعنی اس یقین کے ساتھ کہ دنیا کی ہر ضرورت کو پورا کرنے والی ہستی صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔

اس وقت تک قبول نہیں ہوتیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں مگر بہر حال وہ انسان کو کپڑا ہی دے سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دئے ہوئے میں سے دیتے ہیں مگر بہر حال وہ دوسرے کو مکان ہی دے سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دئے ہوئے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں مگر بہر حال وہ بیماروں کا علاج ہی کر سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دئے ہوئے علم سے دوسروں کی حفاظت کے لئے مقدمہ مفت لڑ سکتے ہیں مگر بہر حال وہ مقدمہ ہی بغیر فیس کے لینے کے لڑ سکتے ہیں مگر کوئی انسان دنیا کا ایسا نظر نہیں آ سکتا جس کے ہاتھ میں یہ ساری چیزیں ہوں۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ہاتھ میں دلوں کی تبدیلی ہو، کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ہاتھ میں جذبات کی تبدیلی ہو۔ یہ صرف خدا کی ہی ذات ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام چیزیں ہیں اور جو دلوں اور اس کے نہاں در نہاں جذبات کو بھی بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس جب تک مضطر ہو کر دعا نہ کی جائے اور جب تک چاروں طرف سے مایوس ہو کر اور خدا پر کامل ایمان رکھ کر دعا نہ کی جائے اس وقت تک دعا قبول نہیں ہوتی لیکن جب اس رنگ میں دعا کی جائے تو وہ خدا کے عرش پر ضرور پہنچتی اور قبول ہو کر رہتی ہیں۔

پس دعائیں کرو اور اس شرط کو جو دعاؤں کی قبولیت کے لئے خدا تعالیٰ نے ضروری قرار دی ہے مدِ نظر رکھو۔ وقت نازک ہے اور ایک ایک دن قیمتی ہے۔ چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے آج مَیں صرف ایک شرط کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔"

(الفضل 18 اپریل 1942ء)

1: النمل: 63

2: بخاری کتاب الدعوات باب النوم علی الشق الایمن

3: المنذر الثالث معروف بابن السماء کا لڑکا اور حیرہ کا بادشاہ۔ (الشعر و الشعراء لابن قتیبہ۔ رجال المعلقات العشر از شیخ مصطفیٰ علابینی)

4: اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 157 مطبوعہ ریاض 1286ھ

5: ہانجیوں: ہانجی: ملاح، کشتی چلانے والا

6: بخاری کتاب المغازی باب فَضْلُ مَنْ شَہِدَ بَدْرًا

7: الاستیعاب جلد اول صفحہ 247 تا 249

8: ابن ماجہ ابواب النکاح باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوّجھا

9: البقرۃ: 9

10: سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 87 مطبوعہ مصر 1936ء